ڈیوڑھی میں جا سوار ہو بے رخصت ہوے چل دیں۔ اب یہ کیا موقع تھا کہ ڈولی واپس منگائی جائے۔ ناچار صالحہ اکیلی خالہ کو سلام رخصت کرنے گئی۔ تو خالہ نے کہا اے لڑکی ایسی کیا بھاگڑ مچی ہو۔ نعیمہ کو اُٹھنے دو۔ ناشتہ کھا پی لو۔ تب جانا۔ صالحہ۔ آپا تو گئیں بھی۔ خالہ۔ یہ کب۔ صالحہ۔ جس وقت میں بعد نماز آپ سے باتیں کر رہی تھی اُسی وقت وہ سوار ہو گئیں۔ خالہ۔ کیسی چپکے سے نکل گئی کہ میں نے اُسے جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ صالحہ۔ کھڑکی کی راہ سے گئیں۔ خالہ۔ تب ہی۔ مگر صالحہ تم نے دیکھا اُس کا غصہ کتنا تم نے اس کے ساتھ سر مارا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمہاری ساری باتیں سنتی تھی لیکن اُس کا یہ اثر ہوا کہ بے ملے چل دیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی غضب ہوا ہو کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پر جاؤں تو جیتے جی صورت نہ دیکھوں۔ لیکن کیا کروں یہ دل کم بخت نہیں مانتا اس مزاج کی بدولت ان حالوں کو تو یہ پہنچ گئی مگر ذرا اس کو خیال نہیں۔ مطلق اس کو پروا نہیں دیکھیے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہو۔ کیا اس کے نصیب میں بدا ہو۔ اس کے غم نے مجھ کو تو کھا لیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔ صالحہ۔ آپ رنج نہ کیجئے اور دل کو سنبھالیے۔ اب آپنے ان باتوں کا خیال کیا ہو ان شاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ یہی ہو کہ کوئی دیر کوئی سویر۔ اب ہم نعیمہ کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں۔ جو اُس کو پیش آیا اور جیسا اس کا انجام ہوا پھر بیان کریں گے۔

کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا۔ نصوح نے کلیم کا تکلف خانہ اور بیہودہ کتاب خانہ جلا دیا

نعیمہ تو صبح ہوتے گئی۔ مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب صالحہ ڈولی سے اُتری لوگ اُس سے ملنے ملانے میں مصروف ہوے کلیم آنکھ بچی تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی تو نہ کیا کہ رات کا وقت ہو لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے تو کہتا جاؤں[1]۔ جب نعیمہ کو کھانا جا لیا سب گھر والے کھا پی کر فارغ ہو گئے اور فہمیدہ سونے کے ارادے سے مکان میں آئی تو دیکھا باہر کا دروازہ چوپٹ[2] کھلا پڑا ہو۔ کلیم کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ سمجھی کہ موقع پا کر چل دیا۔

[1] کہ بند کر لو ۱۲ [2] بالکل پورا ۱۲

لیکن اُس وقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ پھر نہ آئے اور نہ فہمیدہ کو ایسا گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ بات کا چرچا کرنا مناسب نہ جان کر سب لوگ سو سلا رہے۔ نصوح نمازِ صبح پڑھ کر مسجد سے واپس آ رہا تھا کہ اس کو گلی کے نکڑ[1] پر نعیمہ کی، اور ڈیوڑھی سے نکلتی ہوئی صالحہ کی ڈولی ملی۔ کلیم کی نافرمانیوں پر غصہ تو آدھی رات ہی کو بہتیرا اُلجھ آیا اور بار بار اُس کے دل نے چاہا کہ اسی وقت اِدھر یا اُدھر جو کچھ ہو فیصلہ کر دے لیکن چند در چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر[2] کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا اور مشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضامند کیا کہ پیام زبانی کا اثر اور تحریر کا نتیجہ تو معلوم ہوا ایک مرتبہ اور رُو در رُو کہہ کر بھی دیکھ لو۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو اپنا سر کھائے[3]۔ اس ارادے سے وہ پہلے مردانے مکان میں آ کر ٹھہرا۔ اور جب کلیم اُس کو نظر نہ آیا تو اُس نے نوکروں سے پوچھا مگر کسی نے جواب صاف نہ دیا۔ تب وہ نوکروں پر خفا ہوا کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو اُس بدبخت کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں دیتے تم اپنے پندار[4] میں اُس کے حق میں خیرخواہی کر رہے ہو مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم کو تمہاری رازداری[5] نہ صرف اُس کم نصیب کے حق میں مضر ہے بلکہ تمہارے حق میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اُس کی عادت اس قدر سویرے اُٹھنے کی نہیں ہے ضرور ہے کہ تم نے اُس کو جگا کر کہیں ٹال دیا ہے۔ میں نے تم کو اپنی آسائش[6] کے لیے خاص خاص[7] خدمتوں پر مامور کر رکھا ہے اگر تمہاری وجہ سے میرے انتظام خانہ داری میں خلل واقع ہو تو تم میرے نوکر نہیں ہو بلکہ دشمن ہو۔ ملازم نہیں ہو بلکہ بدخواہ ہو۔ اگر میں اس ناشدنی[8] کو فرزندی سے عاق[9] کروں گا تو سب کو بھی اُس کے ساتھ نوکری سے برطرف۔ نصوح کا یہ کلام سن کر اعلیٰ ادنیٰ سب نوکر تھرا اُٹھے اور جو اُن میں سب سے زیادہ سلیقہ مند تھا دست بستہ ہو کر بولا کہ حضور کا عتاب غلاموں کے سر و چشم پر مگر شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازت ہوئی کہ اپنے اپنے گھر جا کر سوئیں۔ اُس وقت تک صاحبزادے صاحب گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ نمک خواروں نے صبح کو آ کر اُن کا جمال نہیں دیکھا۔ جناب بیگم صاحب سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں۔ خانہ زادوں سے ایسی کو نمکی[10] ہوگی کہ حضور سے کوئی بات مخفی رکھیں یہ سن کر نصوح اندر گیا اور حسبِ عادت سب لوگ اُس کو سلامِ صبح

[1] سرے پر ۱۲ [2] یعنے غصہ کو ضبط کیا ۱۲ [3] مطلب یہ ہے جو اس کے جی میں آئے کرے میری بلا سے ۱۲ [4] گمان ۱۲ [5] بھید کو چھپانا ۱۲ [6] آرام ۱۲ [7] یعنی ہر ایک کو ایک خاص خدمت پر ۱۲ [8] جس سے کچھ ہونا ہوانا نہیں ۱۲ [9] خارج ۱۲ [10] نمک حرامی ۱۲ +

کرنے کے واسطے جمع ہو گئے۔ فہمیدہ اُس وقت تک تلاوت میں مصروف تھی مگر تھوڑی دیر میں فارغ ہو گئی تو نصوح نے کہا کیوں صاحب بی صالحہ گئیں۔ فہمیدہ کبھی کی گئیں۔ اب تک تو وہ گھر بھی پہنچ گئی ہوں گی نصوح۔ اور دوسری ڈولی کس کی تھی۔ فہمیدہ۔ تمھاری بڑی صاحبزادی کی۔ نصوح۔ من کر گئیں۔ یا بگڑ کر۔ فہمیدہ۔ کچھ من کر کچھ بگڑ کر۔ نصوح۔ یہ کیا۔ فہمیدہ۔ صالحہ نے خدا اُس کو جزائے خیر دے بہتیرا کچھ سمجھایا اور آدھی رات تک اپنا سر خالی کیا۔ بارے اُس کے کہنے سے اُنھوں نے اپنا قہر کی[1] روزہ تو افطار کیا لڑکے کو دودھ بھی پلایا۔ یہ تو اُن کا منانا تھا۔ بگڑنا یہ کہ صبح کو بے ملے بے رخصت ہوئے ڈولی میں بیٹھ بل دیں۔ میں صالحہ سے باتیں کرتی رہی میں نے اُس کو جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ نصوح۔ خیر یاں سے تو خدا نے سبکدوش[2] کیا۔ اب صاحبزادے صاحب کی کہو وہ کہاں ہیں۔ سب چھوٹے بڑوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ ہم کو مطلق خبر نہیں۔ نصوح۔ کب سے غائب ہیں۔ فہمیدہ۔ مغرب کے بعد سے برابر میرے پاس بیٹھا تھا میں اُس کو سمجھاتی رہی۔ تمھارا خط آیا اُس کو پڑھاتے میں صالحہ کی ڈولی آ پہونچی میں اُس سے باتیں کرنے لگی پھر لوگوں کو کھانا یاد دلایا۔ اس میں کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات چلی گئی۔ سونے کو جو گئی تو دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے۔ نصوح۔ الحمد للہ[3] خس کم[4] جہان پاک۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس میں کس کی خطا ہے میری یا اُس کی۔ فہمیدہ۔ خطا صریح اُسی کی ہے خواہ مخواہ بھی تمھاری خطا بتا دوں۔ تم نے اُسکا ایک رقعہ چھوڑ دو دو بلایا۔ خط لکھا۔ بس حد ہو گئی۔ علیم نے بہتیرا سمجھایا۔ میں نے بہت کچھ کہا سنا۔ وہ اپنی شاعری کے آگے کس کی سنتا ہے۔ تم تک جانے ہی کی اُس نے ہامی[5] نہ بھری۔ میں نے کہا تھا کہ کھانے سے فراغت پا کر پھر اُس کے ساتھ سر ماروں گی۔ اسی غرض سے مردانے مکان میں پروا کر دیا۔ مگر وہ پہلے ہی سے نکل گیا۔ کوئی کیا کرے اپنی اپنی قسمت۔ اپنی اپنی تقدیر۔ نصوح۔ جس طرح یہ نالائق میرے ساتھ پیش آیا نعیم نے تمھارے ساتھ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد نصوح نے منجھلے بیٹے علیم سے کہا بھلا تم نے اُس کے بچھونے یا کتابوں میں تو دیکھا ہوتا شاید وہ کچھ لکھ کر رکھ گیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُس کے نفس سرکش[6] نے احسن کو مجھ تک نہ آنے دیا۔ ورنہ میں تو ہر طرح اُسکے عذرات کو سننے اور اُس کے وجوہات پر لحاظ کرنے اور معقولیت کے ساتھ اُس کو سمجھانے کے لیے موجود تھا۔ علیم۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں گزری

[1] غصہ کا روزہ [2] یعنی کندھے پر سے یہ بوجھ تو ہلکا ہوا ۱۲ [3] خدا کا شکر ہے ۱۲ [4] کوڑا کرکٹ کم ہوا تو جہان پاک ہو گیا۔ یہ فارسی کی مثل ہے [5] یعنی زبان سے ہاں نہ کہا ۱۲ [6] بڑا ہو کسی سے نہ ہو ۱۲ +

مگر میں اب اُن کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسی امید نہیں ہو کہ وہ کچھ لکھ کر رکھ گئے ہوں کیوں کہ اگر اُن کو لکھنا ہی منظور ہوتا تو وہ آپ کے خط کا جواب ہی نہ دیتے۔ دوسرے اُن کو اتنی فرصت کہاں ملی۔ کل شام کو اس بات کا چرچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالحہ کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے۔ اس اثنا[1] میں برابر میں اُن کے پاس تھا اور میرے چلے جانے کے بعد اماں جان۔ نصوح۔ پھر بھی میں اس کو داخلِ اتمام حجت[2] سمجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاطاً اس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں بھی تمہارا شریک رہوں گا۔ ہر چند علیم کو منظور نہ تھا کہ بھائی کی چیزوں پر باپ کی نظر پڑے۔ لیکن باپ کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر باہر مردانے میں آ کر نصوح نے نوکروں سے پوچھا کہ کلیم کا اسباب کس جگہ رہتا ہو۔ نوکر۔ حضور۔ صاحبزادے صاحب نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ اس دکھن والے کمرے کا نام اُنھوں نے ایسے ہی تو ہیں عشرت[3] منزل رکھ چھوڑا ہو۔ جب اُن کے ہم جولی آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں اُتّر والے کمرے کو خلوت[4] خانہ فرمایا کرتے ہیں۔ اُس میں اُن کے پڑھنے لکھنے کی کتابیں وغیرہ ہیں نصوح۔ عشرت منزل اور خلوت خانے کا نام سُن کر چونکتا ہوا اور اس نے نوکروں سے کہا اچھا پہلے اس عشرت منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرت خانہ کھولا گیا تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے کے بیچ میں چوکیوں کا فرش اس پر دری۔ اُس پر سفید چاندنی اس خوش سلیقگی کے ساتھ تنی ہوئی کہ کہیں دھبّے یا سلوٹ کا نام نہیں۔ صدر[5] کی جانب گجرات کا نفیس قالین بچھا ہوا۔ گاؤ تکیہ لگا ہوا۔ سامنے اُگالدان لبِ قالین پیچوان چوکیوں کے گرداگرد کرسیاں تھیں تو لکڑی کی لیکن آئینے کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی۔ چھت میں چاپانی کی گوٹ کا پنکھا لٹکا ہوا۔ ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کے لیے۔ اُس کے پہلوؤں میں جھاڑ۔ جھاڑوں کے بیچ بیچ میں رنگ برنگ کی ہانڈیاں۔ چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا جس میں پنکھا بجائے کہکشاں کے تھا۔ جھاڑ بمنزلہ آفتاب و ماہتاب اور ہانڈیاں ہُو بہُو جیسے ستارے۔ چھت کے مناسبِ حالت دیواریں تصویروں اور قطعات اور دیوارگیریوں سے آراستہ تھیں۔ نصوح اس ساز و سامان کو تھوڑی دیر ایک سکتے[6] کے عالم میں دیکھتا رہا اس کے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا کہ افسوس کتنی دولتِ خداداد اس بیہودہ نمائش[7] اور تکلف و آرائش میں ضائع کی گئی ہو۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی مدد اور غریبوں کی

---

[1] اس درمیان میں اس عرصے میں ۱۲ [2] یعنے اتمام کرنے سے حجت میری طرف سے پوری ہو جائے گی ۱۲ [3] خوشی کا گھر ۱۲ [4] تنہائی اور تخلیے کا گھر ۱۲ [5] میر مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ۱۲ [6] خاموشی ۱۲ [7] دکھاوا ۱۲ +

کاربرآری میں صرف کیا جاتا۔ اس کے بعد اُس کی نگاہ مقابل صدر جا پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ آمنے سامنے دو میزیں لگی ہیں۔ ایک پر گنجفہ۔ شطرنج۔ چوسر۔ تاش۔ کھیل کی چیزیں اور ارگن باجے رکھے تھے۔ دوسری پر گلدان۔ اور عطردان وغیرہ کے علاوہ ایک نہایت عمدہ طلائی جلد کی موٹی سی کتاب۔ نصوح نے نہایت شوق سے اُس کتاب کو کھولا۔ تو وہ تصویروں کا البم[1] تھا۔ مگر تصویریں کسی عالم۔ حافظ۔ درویش خدا پرست کی نہیں۔ کھوا پکھاوجی۔ تان رس خاں گویا۔ میر ناصر احمد بین نواز۔ صمد خان پہلوان۔ کھلونا۔ بھانڈ۔ حیدر علی قوال۔ تھوا ہیجڑا۔ قادری محمد علی بھگیا۔ عدو جواری اس قسم کے لوگوں کی شیشہ آلات کی وجہ سے نصوح نے دیوار والی تصویروں کو بغور نہیں دیکھا تھا اب البم کو دیکھ کر اُسے خیال آیا۔ آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بیہودہ تھیں۔ قطعے اور طغرے اگرچہ اُن کا سواد خط پاکیزہ تھا مگر مضمون و مطالب دین کے برخلاف۔ مذہب کے برعکس۔ نصوح نے وہیں سے ایک میر فرش اٹھا کر ان سب کی خبر لینی شروع کی اور بات کی بات میں کل چیزوں کو توڑ پھوڑ برابر کیا۔ اور جو کچھ باقی رہا اس کو صحن میں رکھ آگ لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا اب خلوت خانہ کھولو۔ اُس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان کے علاوہ کتابوں کی ایک الماری تھی دیکھنے میں تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہے تو سارے دن میں بھی تمام نہ ہو۔ لیکن کیا اُردو کیا فارسی سب کی سب کچھ ایک ہی طرح کی تھیں جھوٹے قصے۔ بیہودہ باتیں۔ فحش مطلب۔ لچر[2] مضمون۔ اخلاق سے بعید۔ حیا سے دُور۔ نصوح اُن کتابوں کی جلد کی عمدگی۔ خط کی پاکیزگی۔ کاغذ کی صفائی۔ عبارت[3] کی خوبی۔ طرز ادا کی برجستگی پر نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اُس کو ذخیرہ بے بہا[4] معلوم ہوتا تھا۔ مگر معنی و مطالب کے اعتبار سے ہر ایک جل سوختنی[5] اور دریدنی[6] تھی۔ اسی تردد میں اُس کو دوپہر ہو گئی۔ کئی مرتبہ کھانے کے لیے گھر سے اُس کی طلب ہوئی مگر اُس کو فرصت نہ تھی۔ بار بار کتابوں کو اُلٹ اُلٹ کر دیکھتا تھا اور رکھ رکھ دیتا تھا آخر کار یہی رائے قرار پائی کہ اُن کا جلا دینا ہی بہتر ہے چنانچہ بھری الماری کتابیں لکڑی کندے کی طرح اوپر تلے رکھ آگ لگا دی۔ نصوح کا یہ برتاؤ دیکھ اندر سے باہر تک تہلکا اور زلزلہ پڑ گیا علیم دوڑا دوڑا اجا اپنا کلیات آتش اور دیوان شرر اُٹھا لایا اور باپ سے کہا کہ جناب میرے پاس بھی یہ دو

[1] انگریزی لفظ ہے جس کتاب میں تصویریں لگی ہوں اُس کو البم کہتے ہیں ۱۲ [2] مراد ہے ۱۲ [3] عبارت ۱۲ [4] جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکے یعنے بیش قیمت ۱۲ [5] جلانے کی قابل ۱۲ [6] پھاڑ ڈالنے کی قابل ۱۲

کتابیں اسی طرح کی ہیں۔ نصوح نے ان کتابوں کو بھی دو چار جگہ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقع میں ان کے مضامین بھی جہاں تک میں دیکھتا ہوں بُرے اور بیہودہ ہیں لیکن تمھاری نسبت مجھ کو خدا کے فضل سے اطمینان ہو چلا ہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو اگرچہ ان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیت[1] نہیں ہے۔ علیم۔ کتاب جب کہ دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اس کا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہے بہتر ہوگا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے۔ نصوح۔ شاید تم میری خاطر سے کہہ رہے ہو اور تم کو پیچھے تاسف ہو۔ علیم۔ مجھ کو ہرگز تاسف نہ ہوگا بلکہ خوشی ہوگی۔ جلائی جائے وہ عمدہ نصیحت کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے دی تھی اور رہیں یہ خرافات[2]۔ میں جانتا ہوں کہ بھائی جان کی کتابوں پر یہ دلی پادری صاحب والی کتاب کا وبال پڑا۔ ڈرنے کا مقام اور عبرت کی جگہ ہے۔ نصوح۔ لیکن کیا ضرور ہے کہ تمھاری کتابیں بھی اُس وبال میں داخل ہوں۔ علیم۔ ان کے نام بھی جلنا جلنا پکارتے ہیں۔ ارشاد ہو تو جھونک دوں نصوح۔ تمھاری یہی مرضی ہے تو بسم اللہ[3]۔ علیم نے آتش کو دہکتی آگ اور شرر کو جلتے انگاروں میں پھینک دیا۔ علیم کی دیکھا دیکھی میاں سلیم نے بھی واسوخت امانت لا باپ کے حوالے کی اور کہا کہ ایک دن کوئی کتاب فروش کتابیں بیچنے لایا تھا۔ بڑے بھائی جان نے فسانۂ عجائب۔ قصۂ گل بکاؤلی۔ آرائشِ محفل مثنوی میر حسن۔ مضحکاتِ نعمت خاں عالی۔ منتخب غزلیات چرکین۔ ہزلیات جعفر زٹلی۔ قصائد ہجویہ رفیع السودا۔ دیوانِ جان صاحب۔ بہار دانش با تصویر۔ اندر سبھا۔ دریائے لطافت۔ لغات النساء۔ کلیات رند وغیرہ بہت سی کتابیں اس سے لی تھیں میں بھی بیٹھا ہوا تھا مجھ کو دیکھ کر بولے کیوں سلیم تم بھی کوئی کتاب لوگے۔ میں جو آپ تجویز فرمائیں۔ بھائی جان۔ کون سی کتاب تم کو لے دوں۔ یہ کتابیں جو میں نے لی ہیں اوّل تو میرے شوق کی ہیں۔ دوسرے تم کو ان کا مزہ نہیں ملے گا۔ کتاب والے کی ساری گٹھری میں سے یہ واسوخت اور دیوان نظیر اکبرآبادی دو کتابیں انھوں نے میرے لیے نکالیں اور کہا کہ واسوخت تو خیر مگر یہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میاں ہر ہر کے اشعار آج تک کسی نے جمع نہیں کیے تھے۔ اس کے حاشیے پر وہ بھی ہیں۔ چونکہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی میں نے اس کو نہایت شوق سے کھولا۔ تو پہلے ہی جو ہولی کا اچار نکلا اس کے مضمون سے میری طبیعت کچھ ایسی کھٹی[4] ہوئی کہ میں نے دونوں کتابیں پھیر دیں۔ مگر بھائی جان نے یہ واسوخت زبردستی میرے

۱؎ گناہ ۱۲ ۲؎ لغویات۔ واہیات ۱۲ ۳؎ یعنے خدا کا نام لے کر ڈال بھی دو ۱۲ ۴؎ اچار کے ساتھ یہ لفظ کیا مزہ دے رہا ہے ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

سر مارہی ایک دن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے نے میرے جزدان میں دیکھ کر
کہا کہ آہا میاں سلیم تم بڑے چھپے[1] رستم نکلے۔ میں۔ کیوں۔ حضرت بی صاحب کا نواسہ۔ تم کو ایسی کتابوں
کا بھی شوق ہے۔ میں۔ مجھ کو بھائی جان نے دی ہے۔ کیوں کیا یہ کتاب اچھی نہیں ہے۔ حضرت بی صاحب کا
نواسہ اچھی بُری تو میں نہیں جانتا لیکن اگر نانی اماں دیکھ پائیں تو شاید ہم لوگوں کو تمھارے پاس
اُٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کریں۔ بھلا کوئی ایسی گندی باتوں کی کتاب بھی پڑھتا ہے۔ تب سے میں نے
اس کتاب کو طاق میں ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آگئی تو میں نے کہا کہ یہ بھی اپنی مراد کو پہنچ جائے۔
جب کلیم کا خرمنِ عیش و عشرت جل بھن کر خاک سیاہ ہو لیا تو نصوح اندر گھر میں گیا اور بیوی نے اُس سے
پوچھا کیوں جس پرچے کی جستجو تھی ملا۔ نصوح۔ نہیں پرچہ تو نہیں ملا۔ لیکن میرا مطلب حاصل ہو گیا۔
فہمیدہ وہ کیا۔ نصوح۔ مجھکو اس بات کی تلاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات معلوم کروں کہ آخر اُسکو جو اس قدر
گریز ہے کہ میرے پاس تک آنے سے بھی اُس نے انکار کیا تو اس کی وجہ کیا ہے۔ فہمیدہ۔ پھر تم نے کیا وجہ دریافت
کی۔ نصوح۔ وجہ کیا دریافت کی اُسکی ساری حقیقت معلوم ہو گئی۔ بلکہ شاید رُو در رُو گفتگو کرنے سے بھی یہ بات
پیدا نہ ہوتی جو مجھکو اب حاصل ہے۔ فہمیدہ۔ آخر کچھ میں بھی سُنوں۔ نصوح۔ میں نے اُس کے عشرت
منزل اور خلوت خانے کو دیکھا۔ اور اُس کے کتاب خانے کی سیر کی۔ فہمیدہ۔ عشرت منزل و خلوت خانہ کیسا۔
نصوح۔ تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادہ بلند اقبال نے
دو کمرے اپنے واسطے خاص کر رکھے ہیں۔ ایک کا نام عشرت منزل رکھ چھوڑا ہے اور دوسرے کا خلوت خانہ
جس کمرے میں ان کے شیاطین[2] الانس جمع ہوتے ہیں وہ عشرت خانہ ہے۔ اور جہاں استراحت[3] فرماتے ہیں وہ
خلوت خانہ ہے اسی خلوت خانے میں کتاب خانہ بھی ہے۔ فہمیدہ۔ اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ کلیم نے
دو کمرے رکھے ہیں۔ مگر عشرت منزل اور خلوت خانہ میں نے آج ہی سُنا ہے۔ نصوح۔ تم نے اُن
کمروں کو اندر سے بھی دیکھا۔ فہمیدہ۔ نہیں۔ مردانے میں کبھی کاہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے کل رات البتہ علیم
کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔ خوب ہوا کہ تم نے اُن کمروں کو نہ دیکھا۔ فہمیدہ۔ کیوں۔ نصوح۔ اب
میں اُن کمروں کی تامتر تفضیح[4] تم سے کیا بیان کروں۔ بس مولانا[5] ے روم قدس[6] اللہ سرہ العزیز کا خیر

[1] محاورہ ہے[1] کھلیان۔ یہاں مراد ہے اس کی کتابیں وغیرہ ۱۲[2] ہیں تو آدمی مگر شیطان کی طرح بہکاتے ہیں ۱۲[3] آرام فرماتے ہیں یعنی سوتے
ہیں ۱۲[4] رسوائی ۱۲[5] ان کی مثنوی نہایت مشہور کتاب ہے۔ صوفیوں کے گروہ کے پیشوا تھے ۱۲[6] خدا اُن کے بھید کو پاک کرے مطلب
ہے کہ ان کو جو راز و نیاز خدا کی بارگاہ میں ہے اس میں ان صفائی ہو ۱۲ +

از بروں چوں گور کافر پر حلل ◆ و اندروں قہر خدائے عزوجل

گویا ان ہی کمروں کی شان میں ہے ظاہر آباد۔ باطن خراب۔ فہمیدہ۔ کوئی کہتا تھا کہ تم نے غصّے میں آکر دیوان خانے میں آگ لگا دی۔ نصوح۔ اگرچہ وہ مکان جس میں وحشیوں کے سے کام ہوتے ہیں اسی قابل ہے۔ مگر میں نے مکان میں تو آگ نہیں لگائی۔ فہمیدہ۔ کچھ دھواں سا مردانے میں ضرور اُٹھ رہا تھا نصوح۔ تو چند کتابیں تھیں جن کو میں نے بیہودہ سمجھ کر جلا دیا۔ فہمیدہ۔ ایسے غصے سے بھی خدا پناہ میں رکھے۔ نصوح۔ غصّے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔ فہمیدہ۔ کتاب کا جلانا غصہ کی بات نہیں تو کیا عقل کی بات ہے۔ میں نے تو سُنا ہے کہ کاغذ کا جلانا بڑا گناہ ہے۔ نہ کہ کتاب۔ لوگ کہیں ذرا سا پرزہ پڑا پاتے ہیں تو اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کتاب کو بھولے سے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو توبہ توبہ کرکے چومتے اور ماتھے چڑھاتے ہیں۔ نصوح۔ تم سچ کہتی ہو۔ مگر یہ لوگوں کی زیادتی ہے۔ کاغذ بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہے۔ کتاب کے عمدہ مضامین جن میں دین داری اور خدا پرستی اور نیکوکاری کا بیان ہوتا ہے وہ البتہ قابلِ ادب ہیں۔ فہمیدہ۔ خیر کچھ ہی سہی مگر کتاب ہے تو ادب کی چیز۔ پھر تم نے جلائی کیوں۔ نصوح۔ جن کتابوں کو میں نے جلایا اُن کے مضامین شرک اور کفر اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بدگوئی اور جھوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔ فہمیدہ۔ کتابوں میں ایسی بُری بُری باتیں بھی ہوتی ہیں۔ نصوح۔ کتابیں بھی آدمی بناتے ہیں اور آدمی ایسا مخلوق سرکش[2] ہے کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور خدا کی نافرمانی پھیلا رکھی ہے۔ کیا تم شعر اور شاعری کے نام سے واقف نہیں ہو۔ فہمیدہ۔ واقف کیوں نہیں۔ کتابوں میں اکثر شعر ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں تو کوئی بُری بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ سنتی ہوں کہ کلیم کو شعر بنانے کا بڑا شوق ہے۔ اور مردوں میں یہ بڑی تعریف کی بات گنی جاتی ہے۔ نصوح۔ شاعری اپنی ذات سے بُری نہیں۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ زبان دانی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہے۔ ضرور تعریف کی بات ہے۔ لیکن لوگوں نے ایک عام دستور قرار دے رکھا ہے کہ اس لیاقت کو ہمیشہ بُرے اور بیہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے دینداروں کی نظر میں شاعری عیب و گناہ ہے۔ اب شاعری اسی کا نام ہے کہ کسی کی ہجو[3] کیجیے کہ وہ داخل غیبت[4] ہے یا مدح[5] بے جا لکھیے کہ

[1] یعنے اس مکان کا حال کافر کی گور کا سا تھا باہر سے آراستہ و اندر، خدا کا غضب نعوذ باللہ منہ ١٢ [2] نافرمان جو کسی سے دبے نہیں ١٢
[3] برائی۔ مذمت ١٢ [4] پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنا ١٢ [5] تعریف ١٢ ◆

وہ کذب و بطالت ہو۔ یا عشق و عیاشی کے ناپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچئے کہ وہ خلاف شریعت ہو یا مسائل دین اور اہل دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کیجئے کہ وہ کفر و معصیت ہے۔ فہمیدہ۔ یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے لکھنے کی چیزوں میں بھی لوگوں نے خرابیاں پیدا کی ہیں۔ نصوح۔ کیا تم کو اپنا گلستاں پڑھنا یاد نہیں۔ فہمیدہ۔ یاد کیوں نہیں۔ جس دن حمیدہ کا دودھ چھڑایا ہے اس کے اگلے دن میں نے گلستاں شروع کی تھی۔ نصوح۔ بھلا تم کو یہ بھی یاد ہے کہ میں تمھارے سبق سے آگے جا بجا سطروں کی سطروں پر سیاہی پھیر دیا کرتا تھا۔ بلکہ بعض وقت صفحے کے صفحے ایسے آ پڑتے ہیں کہ مجھ کو اوپر سے سادہ کاغذ لگا کر ان کو چھپانے کی ضرورت ہوئی۔ فہمیدہ۔ خوب اچھی طرح یاد ہے چوتھائی کتاب کم تو نکلی ہوگی۔ نصوح۔ تم پڑھتی تھیں تب چوتھائی بچی گئی۔ اگر کوئی دوسری عورت یا لڑکی پڑھتی ہوتی تو میں آدھی کی خبر لیتا۔ وہ تمام بیہودہ باتیں تھیں جن کو میں کاٹتا اور چھپاتا پھرتا تھا۔ فہمیدہ۔ سچ کہو۔ تو میں بھی مشکل جان کر چھڑا دیتے ہیں۔ نصوح۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ میں اُن واہی و فحش باتوں کو تمھارے روبرو بیان نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ اُس کتاب کا حال ہے جو پند و اخلاق میں ہے اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کم نکلے گا کہ ان کا نام لے اور شروع میں حضرت اور آخر میں رحمۃ اللہ علیہ یا قدس اللہ سرہ العزیز نہ کہے۔ یعنی ان کا اعتقاد اولیاء اللہ میں ہے۔ اور جو کتابیں میں نے جلائیں کتابیں کاہے کو تھیں۔ گالی۔ پھکڑ۔ ہزلیات۔ بڑ۔ کواس۔ ہذیان۔ خرافات۔ میں نہیں جانتا ان میں سے کونسا نام ان کیلئے زیادہ زیبا ہے۔ فہمیدہ۔ مگر جلانا کیا ضرور تھا پڑی رہنے دی ہوتیں یا بک بکا جاتیں۔ آخر داموں کی چیز تھی۔ نصوح۔ شاید اگلی گرمیوں کا ذکر ہے کہ بدرو میں سانپ نکلا تھا اور اُس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ صحن کا نکلنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ اور کیسا کچھ تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑو اور مار ڈالنا چاہیے۔ سانپ کی نسبت تم نے ہرگز نہیں کہا کہ پڑا بھی رہنے دو۔ یا شاید کوئی سپیرا دو چار ٹکے پیسے دے کر مول لے جائے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ کتابیں اُس سانپ سے زیادہ موذی تھیں اور اُس سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں۔ اور ان کی قیمت چوری اور ٹھگی کے مال سے بڑھ کر حرام۔ کلیم کو اور بہکا دیا ہے۔ اسی سانپ کا زہر اُس کو چڑھا ہوا ہے۔ اور شیطان نے بھی منتر پڑھ پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ فہمیدہ۔ پھر آخر اس زہر کا تریاق اور اُس منتر کا توڑ بھی کچھ ہے یا نہیں

۱؎ دونوں لفظوں کے معنے جھوٹ ۱۲ ۲؎ مسخراپن ۱۲ ۳؎ ہنسی ٹھٹھا ۱۲ ۴؎ نصیحت ۱۲ ۵؎ عمدہ عادتیں ۱۲ ۶؎ ان پر خدا کی رحمت ۱۲ ۷؎ شمار ۱۲ ۸؎ اعلےٰ درجے کے بزرگان دین ۱۲ ۹؎ ایذا دینے والی ۱۲ ۱۰؎ زہر کا توڑ ۱۲

نصوح۔ کیوں نہیں۔ دین و اخلاق کی کتابیں۔ مگر کوئی اُن کو دیکھنے والا بھی ہو۔ نہ یہ کہ ہر روز سنئے سانپ سے کٹواتے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انجام کیا ہوگا۔ ہلاکت +

کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ اور پھر اپنے ایک قرابت دار فطرت کے یہاں جا کر رہنا اور دونوں مرتبہ ذلت اٹھانا اور قید ہونا اور آخر کار باپ ہی کی سفارش سے رہائی پانا

اب ہم کو کلیم اور نعیمہ دونوں بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہیے کہ باپ کے گھر سے نکل کر ان پر کیا بیتی۔ سو چونکہ کلیم پہلے نکلا پہلے اُسی کا حال بیان کرتے ہیں۔ کئی بار اُس کو باپ نے بلوایا یہاں تک کہ ہار کر رقعہ لکھا۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا۔ بھائی نے بہت کچھ کہا سنا۔ لیکن وہ ہرگز روبراہ[1] نہ ہوا۔ اور جب دیکھا کہ فہمیدہ صالحہ کے اُتروانے میں مصروف ہے آنکھ بچا بے پوچھے بے کہے گھر سے اس طرح نکل کھڑا ہوا کہ گویا اُس کو کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ شاید اُس کے ذہن میں بھی یہ بات اس وقت نہ گزری ہوگی کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جا رہا ہے۔ اور عزیز و اقارب جن سے وہ ایسے سرسری[2] طور پر جُدا ہوتا ہے جیتے جی اُن کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہ نکلنا اُس کا کچھ نیا نکلنا نہ تھا۔ بلکہ معمولی عادت اور ہمیشہ کی خصلت تھی۔ گھر سے نکل جانے کی اُس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ ذرا ذرا سی ادعائی[3] ناخوشی پر وہ آئے دن بھاگا کرتا تھا۔ مگر اِدھر اُس کا نکلنا معلوم ہوا اور اُدھر نوکروں کے جاسوس اُس کی جستجو میں دوڑنے شروع ہوئے۔ شروع شروع میں تو نوکروں ہی کے بُلانے سے چلا آتا ہے۔ پھر چندے یہ معمول رہا کہ خود میاں نصوح جاتے تو صاحبزادۂ بلند اقبال کو منا لاتے۔ اب تھوڑے دنوں سے نصوح کے عمل میں بھی تاثیر گھٹ گئی تھی تو بی بی فہمیدہ کی ڈولی در بدر ماری پھرا کرتی تھی۔ اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ توقع جی میں لے کر نکلا کہ گلی سے نکلتے نکلتے نوکر اُسکے پیچھے دوڑیں گے۔ اور اس امید میں اُس نے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے گھر پہنچتے پہنچتے کوئی سیکڑوں ہی مرتبہ پیچھے پھر پھر کر دیکھا۔ مگر واقع میں یہ اُسکی غلط فہمی تھی۔ اب کلیم کے سوائے بقول نعیمہ گھر کا باوا آدم بدلا ہوا تھا۔ نہ پہلی سی ماں۔ نہ اگلا سا باپ۔ نوکر ڈھونڈھیں کیوں اور دوڑیں کس لیے پھر بھی کلیم اس سے بے خبر نہ تھا کہ اس مرتبہ ایک خاص طرح کا بگاڑ ہے وہ جانتا تھا کہ دینداری کا نیا چرچا

ا۔ رستے پر نہ آیا ۲۔ آسان ۳۔ زبردستی کی دل سے بنائی ہوئی ۱۲ +